پاکستانی معاشرے میں این جی اوز کے اہداف و مقاصد

ڈاکٹر اشتیاق احمد گوندل

بیسویں صدی میں عالمی جنگوں کے بعد عالمی سامراج نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنی حکمت عملی کو نئے سرے سے ترتیب دیا تو سامراجی تہذیب کی دیگر معاشروں اور ممالک میں نفوذ پذیری کے لیے این جی اوز کا راستہ اختیار کیا گیا۔ بظاہر یہ تنظیمیں رضاکارانہ طور پر معاشرے کے پسے ہوئے اور استحصال کا شکار طبقات کی رضاکارانہ خدمات سرانجام دینے کا پروگرام بناتی ہیں مگر پس پردہ کئی دیگر مقاصد کو ترجیح حاصل ہوتی ہے بالعموم این جی اوز درج ذیل مقاصد کے لیے کام کرتی ہیں۔

۱۔ بچوں کی بہبود
۲۔ نوجوانوں کی بہبود
۳۔ معذوروں کی بھلائی
۴۔ تفریحی پروگرامات
۵۔ سماجی تعلیم اور تعلیم بالغاں
۶۔ قیدیوں کی فلاح و بہبود
۷۔ بھکاریوں کی بھلائی
۸۔ صحت عامہ اور طبی سہولتوں کی فراہمی
۹۔ سماجی بہبود کے کاموں کی تربیت اور سماجی خدمت کے اداروں میں باہم تعاون کو فروغ دینا
۱۰۔ ریٹائرڈ افراد کی بھلائی
۱۱۔ نشے اور دیگر سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد
۱۲۔ عورتوں کے حقوق کی جدوجہد
۱۳۔ آلودگی کے خلاف مہم

یہ این جی اوز عام معاشرے سے بھی فنڈز اکٹھا کرتی ہیں لیکن فی الواقع ان کو حکومتی فنڈ بھی ملتا ہے اور ایسی تنظیموں کی ایک کثیر تعداد بیرونی ممالک سے بھاری فنڈ وصول کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے کئی ادارے بھی سماجی ترقی، عورتوں اور بچوں کے حقوق کے نام پر بڑے بڑے فنڈز فراہم کرتے ہیں۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے اس وقت ملک بھر میں کوئی تیس ہزار (۳۰۰۰۰) رضاکار تنظیمیں کاغذوں پر موجود ہیں ان میں سے نصف سے زائد پنجاب میں ہیں۔ پنجاب کے صوبائی محکمہ سماجی بہبود کے ساتھ رجسٹر ہونے والی تنظیموں کی تعداد ۲۶۶ ہے ان میں وہ تنظیمیں بھی شامل ہیں جو عملاً غیر فعال ہیں انہیں مردہ تنظیمیں بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

قیام پاکستان کے فوراً بعد آزاد خیال عناصر نے بڑے زور و شور سے پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانے کا آغاز کیا اور قیادت کی سطح پر زبردست کشمکش کا آغاز ہوا اسی دور میں ایک لبرل معاشرے کی تعمیر کے لیے بھی جدوجہد کا آغاز کر دیا گیا جس کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی موسیٰ خان جلال زئی لکھتے ہیں:

ہمارے ہاں ۱۹۵۱ء میں جب رعنا لیاقت علی نے اپوا (Apwa) کے نام سے این جی او قائم کی تو اس کے پس پردہ ان بین الاقوامی اداروں کی بھرپور تائید موجود تھی اس این جی او کا مقصد خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا تھا مگر اس نے خواتین کی فلاح و بہبود کے نام پر جس بے حیائی کی راہ ہموار کی اور انگریزی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا اس کے پیچھے بین الاقوامی قوتوں کے فنڈز کے ڈھیر موجود تھے۔ ملکی و بین الاقوامی سطح پر خوب عزت اور شہرت بخشی گئی۔ بیرونی ممالک سے سیر سپاٹوں کی دعوتیں آنے لگیں بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے اصرار کیا جانے لگا اور حکومتیں امریکہ کے خوف سے انہیں سر آنکھوں پر بٹھانے لگیں تو دیکھا دیکھی دوسرے سیکولر عناصر کو بھی یہ اچھا اور منافع بخش پیشہ ہاتھ آ گیا اس ایک این جی او کے قیام کے بعد پھر دوسرے میدانوں میں کام کرنے کے لیے دوسری کئی این جی اوز کا قیام بھی عمل میں آنے لگا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ پوری دنیا میں پانچ کروڑ کی تعداد میں این جی اوز اپنا کھیل کھیل رہی ہیں۔ پاکستان میں ان این جی اوز کی تعداد تیس ہزار ہے جبکہ صرف صوبہ پنجاب میں ۵۹۶۷ کی تعداد میں موجود ہیں جن میں صرف ۱۹۴۱ این جی اوز پر پابندی لگائی گئی جب بیگم رعنا لیاقت نے این جی او بنائی تھی تو اس وقت یہ محض خواتین کے حقوق کے لیے بنائی گئی تھی مگر بعد ازاں سیاسی، معاشی اور معاشرتی ہر میدان میں ملک کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے لیے این جی اوز آ موجود ہوئیں۔ پاکستان میں بننے والی این جی اوز کو عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی

پانیسیوں سے بھی پہنچنے کا موقع ملا پہلے تو ان عالمی مالیاتی اداروں نے پاکستان کی معیشت کو قرضوں کی معیشت میں تبدیل کر دیا اور بعد ازاں اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی مسائل کے لیے اپنی تربیت یافتہ این جی اوز کے ذریعے یہ حل قوم پر مسلط کرنے کی کوشش کی کہ اپنی میزائل پروگرام بند کر دیا جائے۔ موسیٰ خان جلال زئی Naoki Suzuki کی کتاب "Inside NGOs" سے اقتباس نقل کر کے این جی اوز کے مقاصد مزید واضح کرتے ہیں

" Develop room for NGO's to show their own intensions. Then donors attempt to select an appropriate NGO to fund, they are advised to understand what funding means for NGO's and how NGO's deal with donors. However, understanding NGO's real intensions is difficult, because the necessity of funding is the singular most imporatant reality NGO's expend significant effort in seeking funds and may even change their mission for the sake of getting funds. Thus donors should understand that NGO's proposals or reports do not neccessiraily represent the mission of NGO's." (2)

گویا کہ این جی اوز زیادہ تر خریدے ہوئے لوگوں کی آماجگاہ ہوتی یا پھر وہ خود اپنی قیمت لگوانے کے لیے ہر مقصد کے لیے کام کرنے کو تیار ہوتی ہیں اس المناک اور افسوسناک صورتحال کی بنیاد تاریخ پاکستان کے پہلے چند برسوں ہی میں رکھ دی گئی تھی۔ جب پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کی اہلیہ رعنا لیاقت نے اپوا قائم کر کے حکومتی سرپرستی میں لبرل ازم کو تقویت دی۔ لبرل ازم کے لیے این جی اوز حالات کو کس طرح سازگار بناتی ہیں نجم الحسن عارف اپنے مضمون ''این جی اوز اور بیرونی ممالک سے بھاری فنڈز'' میں تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

این جی اوز کے بیرونی رابطے محض مالی حوالے سے نہیں ہیں بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی ان این جی اوز کو چلانے والی شخصیات بیرون ملک پاکستان کے کسی بھی بڑے سیاستدان سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ سیاستدان اگر کسی غیر ملکی دباؤ یا اقتدار کے لالچ میں آگے بڑھتا ہی چلا جائے تو عوامی جوابدہی کا احساس اسے دامن گیر رہتا ہے لیکن این جی اوز اس حوالے سے مادر پدر آزاد ہیں یہ نہ کسی ضابطے کی پابند ہیں نہ کسی کو جوابدہ ہیں حتی کہ اب تو ان کی اہمیت یہ ہوگئی ہے کہ یہ ایک ایسے پریشر گروپ کی صورت اختیار کر گئی ہیں جن کی خدمات اور تعاون کی مقامی سیاسی جماعتوں کو بھی ضرورت پیش آنے لگی ہے جن قومی ایشوز پر سیاسی جماعتیں عوامی ردعمل کے خوف سے لب کشائی نہیں کر سکتیں ان کے لیے یہ این جی اوز انہیں چھتری فراہم کرتی ہیں۔ مثلاً گذشتہ سال حکومت نے پندرھویں ترمیم کا بل قومی اسمبلی میں پیش کیا تو بعض سیاسی جماعتیں جو اگرچہ ایک سیکولر امیج رکھتی ہیں پندرھویں ترمیم پر صرف پارلیمنٹ کے اثرات اور اختیارات کے ارتکاز کے حوالے سے تنقید کرتی رہیں بلکہ یہ تک کہتی رہیں کہ وہ اسلام کی مخالف نہیں لیکن پندرھویں ترمیم کی حمایت نہیں کریں گی بلکہ اس کی مزاحمت کی جائے گی حتی کہ اجمل خٹک نے بھی اسلام کے ساتھ گذشتہ دنوں اپنی کمٹمنٹ کا اظہار ضروری سمجھا ہے لیکن این جی اوز ایک ایسی کمیونٹی ہیں جو اسلام کے خلاف بات کرتے ہوئے کسی احتیاط کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں۔ اسلام کے خلاف یہ اپنی آواز جتنی بلند کرتی ہیں غیر ملکی مارکیٹ میں ان کا ریٹ اتنا ہی بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں ان پر کوئی مشکل آتی ہے تو پورا یورپ اور امریکہ ان کی پشت پر موجود ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں معاشرتی اقدار کو پامال کرنے والے اور اسلام کا چہرہ مسخ کرنے والے خواتین و حضرات بھی امریکہ اور یورپ میں عزت اور احترام کے مستحق سمجھے جاتے ہیں ان کے لیے راتوں رات ویزوں کا بندوبست ہوتا ہے اور انہیں منہ اندھیرے ملک سے باہر ''سمگل'' کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ قانون کی نظر اور زد سے بچ سکیں۔ امریکہ اور یورپ کی یہ بھی عجیب بات ہے کہ اپنے ہاں تو معاشرتی اقدار و روایات پامال کرنے پر صدر کو بھی معافی دینے پر تیار نظر نہیں آتے لیکن پاکستان میں قانون کی عملداری اور اقدار و روایات کا امین معاشرہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اسلام کے خلاف اہل

یورپ نے شروع سے ہی ''این جی اوز'' کو فعال کرنے کے منصوبہ بنالیا تھا۔ قرارداد مقاصد پاس ہونے کے زمانے میں ہی ''اپوا'' قائم ہوگئی تاکہ اسلام کے حوالے سے ہونے والی اس پیش رفت کو ابتداء ہی میں روک دیا جائے یقیناً اہل یورپ کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی اور قرارداد مقاصد تین دھائیوں سے زیادہ عرصے تک پاکستان کے آئین کا آپریٹو حصہ بن سکی اور نہ اس پر عمل کی کوئی راہ ہموار ہوسکی۔

۱۹۷۰ء کی دھائی میں دستور کی منظوری اور اس میں اسلامی دفعات شامل ہونے پر اہل مغرب اور سوشلزم کے حامی اپنی اپنی جگہ ہوشیار ہوگئے کہ اگر جغرافیائی اہمیت کے علاقے میں قائم پاکستان اسلام کا گہوارہ بن گیا تو روشنی کی یہ لہر افغانستان کے راستے وسط ایشیاء تک اور خلیج کے راستے عرب دنیا تک پہنچ جائے گی۔ اسی طرح آرسی ڈی کے نام سے ایران، پاکستان اور ترکی میں خلافت کے خاتمے کے بعد پھر ایک بار اسلام کی طرف مائل ہونے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا کیونکہ امریکہ اور حلیف قوتیں ایران میں شہنشاہیت کو اپنے انجام کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ اس سارے تناظر میں اسلام کی ایک ایسی لہر ابھر سکتی تھی جس کے اثرات ایک طرف یورپ تک پہنچ سکتے تھے اور دوسری جانب پورے یورپ، امریکہ اور سوویت یونین کی اجتماعی اولاد اسرائیل کے لیے خطرے کا موجب بن سکتی تھی۔ اسلام سے خائف امریکہ، یورپ اور سوویت یونین کے دانش وروں نے اپنے اپنے طور پر اس خوف کا اظہار کرنا شروع کردیا۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کی متفقہ منظوری بھی ایک طرح سے پاکستان کے استحکام کی کڑی تھی جو پاکستان کے ہمسائے بھارت کے لیے بھی کسی صورت خوش کن نہ تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف ایک ارتعاش اور سرسراہٹ محسوس کی گئی اسی دھائی میں جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی اور ذوالفقار علی بھٹو مرحوم عوامی تحریک کے سامنے اپنے موقف پر قائم نہ رہ سکے اور انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا تو وہ تمام قوتیں متحرک ہوگئیں جو اسلام اور پاکستان کے حوالے سے مثبت سوچ نہ رکھتی تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو جو کہ نظریاتی اعتبار سے سوشلزم کے حامی تھے ان کے ہاتھوں اس اقدام سے ملک کے اندر اور باہر وہ قوتیں ان سے مایوس ہوگئیں جو پہلے بلاشبہ یہ توقع رکھتی تھیں کہ بھٹو مرحوم کی ذہین وفطین شخصیت اسلام پسندوں کے کسی ایسے دباؤ میں نہ آئے گی پاکستان کو معاشی حوالے سے مغربی

جمہوری پیچھے سے قریب لانے میں کامیاب ہو جاتیں سے لیکن قادیانیوں واقلیت قرار دیئے جانے سے واقعے نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا اگرچہ اس سے قبل بقدر دیش و تسلیم کرنے میں جس فراخدلی کا ثبوت بھٹو مرحوم نے دیا تھا اس پر مذکورہ حلقے خوش تھے لیکن قادیانیوں والے معاملے میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دینا بھٹو مرحوم کی ایسی غلطی تھی جو قابل معافی نہ تھی۔

ملک کے اندر کے آزاد خیال حلقوں اور غیر ملکی طاقتوں نے اپنی سپاہ کو این جی اوز کے نام پر پاکستان میں اتارنے کے فیصلہ کیا اس کا بنیادی مقصد اسلام کے حوالے سے ہونے والی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور ان کی مزاحمت کرنا تھا۔ بھٹو صاحب کی حکومت دھاندلی کے الزام میں مسائل کا شکار ہو گئی تو ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء لگ گیا۔ جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء ابھی جاری تھا کہ افغانستان میں سوویت فوجیں داخل ہو گئیں۔ افغان قوم کی مزاحمت جہاد کے حوالے سے سامنے آئی۔ اہل پاکستان نے بھی دامے، درمے، سخنے اس جہاد میں حصہ لینا ضروری سمجھا۔ نتیجتاً اس پورے خطے میں اسلام، جہاد، شہادت اور ہجرت کے حوالے سے اسلام کے ساتھ لوگوں کی وابستگی کا بے مثال اظہار سامنے آنے لگا اس صورت حال میں آزاد خیال حلقوں، عالمی، سامراجی طاقتوں اور اداروں نے اپنی مشترکہ "سپاہ" کو پاکستان میں زیادہ سرگرم اور فعال ہونے کے لیے ہر ممکن سہولت فراہم کرنا شروع کر دی۔ دولت، شہرت اور عزت سب انعام ان کے لیے حاضر کر دیئے۔ اس سپاہ میں وہ لوگ جو کبھی بائیں بازو کے محاذ پر سرگرم تھے سوویت یونین کی افغانستان میں شکست کے بعد اس محاذ سے ایسے پسپا ہوئے کہ انہیں نئے مقامات و مکان کی حاجت ہوئی نظریات کی فائل سے نکل کر مالیات کی فائل میں آ گئے یہ کام زیادہ دلچسپ اور منفعت بخش تھا اس پر ہینگ لگتی نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آتا تھا ماضی میں سڑکوں پر مارے مارے پھرنے والے چائے خانوں میں عام میلے کچیلے لوگوں کے ساتھ گپ لگاتے تھے۔ دیواروں پر پوسٹر لگاتے تھے، مزدوروں کے سنگ رہتے تھے۔ لیکن اب ان کی دنیا ہی جدا ہو گئی۔ مارے مارے پھرنے کی بجائے گاڑیاں مل گئیں جو سڑکوں پر فراٹے بھرتیں تو ایک سہانے خواب کی تعبیر معلوم ہوتی۔ عام چائے خانوں کی بجائے اب فائیو سٹار ہوٹلوں کی لابیاں اب اس نئی لابی کے لیے ہمہ وقت چشم براہ

ہوتی۔ مزدوروں کی جگہ اب ان مالکان سے براہ راست رابطہ تھا جن کے مظالم سے ''شکاگو'' کا ہولناک واقعہ پیش آیا تھا۔ ''مالکان'' کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کے تو اپنے ہی مزے ہوتے ہیں۔ ''خودغرضی'' کو دل چاہتا ہے یا میں بازو کے ان عناصر نے فیصلہ کیا کہ ماضی میں وہ جو نقطہ نظر سرخ سویرے کے حوالے سے رکھتے تھے اب اس کا دور بیت چلا ہے۔ اب نظریات کی خدمت بھی کریں گے اور معاوضہ بھی بھرپور لیں گے۔ پاکستان کے دستور میں آٹھویں ترمیم اس حوالے سے ایک سنہری موقع تھا جو اس سپاہ کے ہاتھ آیا عالمی سامراجی طاقتوں کو اسلام کی ایسی سفاکانہ تصویر بنا کر دکھائی کہ اس سپاہ کے بجٹ میں روز بروز اضافہ ہوگیا جوں جوں ملک میں اسلام کی بات عام ہونے لگی این جی اوز کی تعداد اور سرگرمیاں بھی بڑھنے لگیں۔ اس ''سپاہ'' میں ان حلقوں نے بھی اپنا حصہ فعالیت سے ادا کیا جنہیں بھٹو دور میں اقلیت قرار دے دیا گیا تھا اب صورتحال یہ ہے کہ اسلام کے خلاف کوئی بات کرنا ہو یہ این جی اوز حاضر ہیں۔ ان کا پلیٹ فارم ملک کے اندر ہر اس فرد اور گروہ کے لیے حاضر ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہاکا سا بھی معاندانہ طرز عمل رکھتا ہے۔ ضیاء دور میں اسلام کے عملی نفاذ کا معاملہ تو تکمیل کو نہ پہنچ سکا لیکن غیر ملکی سپاہ کی تشکیل و تکمیل بہرحال ہوگئی اور یہ سپاہ ہر طرح کے جدید وسائل سے مسلح کر دی گئیں۔ مواصلات کے جدید ترین ذرائع دفاتر کے لیے اپنی عالی شان عمارات، دل خوش کن معاوضے اور دل آویز ماحول سب حاضر اور موجود ہے۔ غیر ملکی فنڈز سے چلنے والی کسی بھی این جی اوز کے ہاں چلے جائیں وہاں ایک ایسا کلچر پروان چڑھا ہوا ملے گا جس کا تعلق اس دھرتی یا اس دھرتی کی اقدار و روایت سے نہیں بلکہ ''مغربی روایات'' سے ملتا ہے۔ ان این جی اوز کی تقریبات میں بھی شرم و حیاء سے عاری مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان تقریبات میں خواتین و حضرات سرعام گلے ملنے سے بھی نہیں چوکتے ان تنظیموں میں شامل خواتین کی بڑی تعداد انہی طبقوں کی نمائندہ ہے جو گذشتہ پچاس سالوں میں عام آدمی کے استحصال کی ذمہ دار ہے۔ (۳)

مسلم لیگ نواز گروپ کی حکومت توڑ کر برسراقتدار آنے والی فوجی حکومت کی کابینہ میں بطور خاص این جی اوز کے نمائندے فیصلہ سازی کے حساس ترین مقام اور منصب تک پہنچ گئے ہیں۔ اس

سلسلے میں وفاقی وزیر عمر اصغر خان اور صوبائی وزیر شاہین عتیق الرحمن کا خاص طور پر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جناب عمر اصغر خان تو ویسے بھی جناب اصغر خان کے فرزند ہیں جن کی زندگی پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانے کا خواب دیکھتے گزری ہے۔ مسلم لیگ کی حکومت کے صوبائی وزیر بنیامین رضوی نے این جی اوز کے خلاف بڑی مؤثر اور منظم مہم کا آغاز کیا تھا مگر نواز حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی این جی اوز کے لیے نئے موسم بہار کا آغاز ہو گیا۔ جناب عمر اصغر خان نے دھمکی آمیز لہجے میں بیان دیا کہ این جی اوز کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے ہر صورت میں عہدہ برا ہوں گے۔ (۴)

مذکورہ بیان سے پاکستان میں این جی اوز کے اثر ورسوخ اور نفوذ کا اندازہ کرنا مشکل نہیں مذہبی طبقات نے اس بیان پر اپنے شدید ردعمل کا ثبوت دیا جامعہ نعیمیہ لاہور کے ترجمان رسالے ماہنامہ عرفات میں جناب عبدالرشید ارشد نے لکھا:

ماضی میں بادشاہوں کے وزراء کے متعلق با تدبیر کا لفظ معروف تھا بلکہ لکھا ہی وزیر باتدبیر جاتا تھا مگر ۲۱ ویں صدی کی طرف سفر کیا شروع ہوا ہے کہ وزیر بے تدبیر بنتے چلے گئے اور میر جعفر و میر صادق کی طرح اپنی دھرتی کا حق نمک ادا کرنے کی بجائے غیر ملکی آقاؤں کے نمک کی لاج رکھنے کی خاطر ہر لمحہ برقرار دکھے جاتے ہیں۔

NGO's جو Non Government Organization کا مخفف ہے عرف عام میں سماجی رفاہی اداروں پر منطبق کیا جاتا ہے مگر قوم جن کو NGO مافیا کے نام سے پکارتی ہے ان کا سماج کی بہبود سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ امر واقع ہے کہ غیر ملکی سرمایہ پر پلنے والا یہ سماج دشمن مافیا ہے جو غیر ملکی آقاؤں کی ضروریات پوری کرتا ہے یہ ممکن ہے کہ بعض شعور سے یہ خدمت سرانجام دے رہے ہوں تو بعض غیر شعوری ایجنٹ ہوں مگر اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ مقاصد غیروں ہی کے پورے کرتے ہیں۔ (۵)

بظاہر تو یہ این جی اوز سماجی فلاح و بہبود، تعلیم اور صحت کے میدانوں میں خدمات سرانجام دینے کا دعویٰ کرتی ہیں مگر فی الحقیقت ہماری معاشرتی اقدار اور خاص طور پر پاکستانی معاشرے کا

خاندانی نظام تبدیل کرنا اور غیر مستحکم کرنا ان این جی اوز کا اصل ہدف ہے اس غرض کے لیے یہ تنظیمیں مردوں سے زیادہ عورتوں کو استعمال کرتی ہیں کیونکہ اچھائی یا برائی دونوں معاملوں میں عورت میں قبولیت کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ عبدالرشید ارشد لکھتے ہیں:

''یہود و نصاریٰ کی مشترکہ خواہش و کاوش ہے کہ مسلمان کے قلوب واذہان سے اسلامی اقدار و شعائر سے محبت کھرچ کر اسے قطعاً بے ضرر انسان'' کے قالب میں ڈھال دیا جائے اور عورت کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے کہ عورت مرد کو نہ صرف موم بناتی ہے بلکہ خود اس کا بگاڑ خاندانوں کا بگاڑ ثابت ہوتا ہے''۔(۶)

عورت کو استعمال کرتے ہوئے این جی اوز دردمندی کا نقاب اوڑھتی ہیں مگر ایک اباحیت پسندانہ کلچر فروغ دیتی ہیں۔ مثلاً ملتان میں میسج (Mesage) نامی این جی اوز نے یونیسیف کے ساتھ مل کر ایڈز کے خلاف ایک مظاہرے کا انعقاد کیا۔ اس مظاہرے میں عوامی شرکت تو مفقود تھی مگر کئی درجن معصوم بچے ایڈز کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور ایک بڑا بینر اٹھائے ہوئے تھے پر تحریر تھا کہ

''کنڈوم کا استعمال ___ ایڈز سے بچاؤ''(۷)

الحمدللہ پاکستانی معاشرہ بدکاری اور زنا کے خلاف زبردست قوت مزاحمت کا مظاہرہ کرتا رہا ہے مگر ایڈز سے بچاؤ کی آڑ میں دراصل بدکاری کو تحفظ دیا جانا مذکورہ مظاہرے کا ہدف تھا ویسے بھی ''کنڈوم'' سے معصوم بچوں کا کیا تعلق بنتا ہے۔ معصوم بچوں کے ذریعے ایسا مظاہرہ کرنا محض اتفاق نہیں بلکہ ٹھوس منصوبہ بندی کا غماز ہے اور یہ ٹھوس منصوبہ بندی ان بھاری رقوم اور فنڈز کی بنیاد پر کی جاتی ہے جو مغربی طاقتیں ہمارے معاشرتی نظام کو غیر مستحکم کرنا اپنا فرض اولین سمجھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں کام کرنے والی این جی اوز اپنی قیمت لگوا کر ایک ایسے لبرل معاشرے کی تعمیر کا خواب دیکھتی ہیں جس نے مغربی معاشرے کو بھی تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ ماہنامہ ترجمان القرآن میں جناب عنایت اللہ اسماعیل این جی اوز کے خوابوں کے معاشرے کی جھلک دکھاتے ہیں۔

۱۰ فی صد خاندان بغیر باپ کے پائے جاتے ہیں۔ یعنی ناچاقی کے باعث علیحدگی ہو چکی ہے

یا ماں کے سر پر نا جائز بچوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی ہے۔ ۱۵ سال کی عمر تک پہنچ کر اکثر بچے اپنے گھروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ۱۳ سال کی عمر ہی سے بچوں میں شراب کی لت پڑ جاتی ہے۔ معاشرے کے ۱۰ فیصد افراد بوجوہ شراب نہیں پیتے۔ خواتین اور بوڑھے رات کے وقت تنہا نہیں جا سکتے۔ ۷۰ فیصد ایسے لڑکے لڑکیاں ہیں جن کو ان کے محبوب یا منگیتروں نے موت کے گھاٹ اتارا میاں بیوی کے تعلقات کچے دھاگوں میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں جو ذرا ذرا سی بات پر طلاق پر منتج ہوتے ہیں۔

معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے پارکوں میں جا بجا بوڑھے لوگ الگ الگ اکیلے بیٹھے دور خلاؤں میں تکتے نظر آتے ہیں۔ آخر عمر میں بزرگوں کا ٹھکانہ اولڈ ہاؤس ہوتے ہیں جہاں وہ مرتے دم تک صرف اپنے بچوں کی یادوں کو سینے میں بسائے ان سے ملنے کی آرزوئیں ہی کرتے ہیں۔ سال میں ایک آدھ مرتبہ کرسمس کارڈ یا فادرز ڈے اور مدرز ڈے کا مبارکبادی پیغام مل جائے تو ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اسکولوں اور دفاتر کے باتھ رومز میں ''کنڈومز'' موجود رہتے ہیں تاکہ تعلیم حاصل کرتے وقت یا کام کے دوران ''جنسی جذبات'' بیدار ہو جائیں تو خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات ''محفوظ طریقوں'' سے اپنی سفلی خواہشات کی تسکین کر لیں۔ (۸)

این جی اوز اپنے مرعوبانہ ذہن اور لبرل نظریات کے باعث مغربی معاشرے کی ظاہری چکا چوند سے متاثر ہوتی ہیں کہ انہیں اپنے ہاں کا وہ معاشرتی اطمینان نظر نہیں آتا جو آج بھی پسماندگی، جہالت، معاشی ابتری کے باوجود خاندانی مسرت، بزرگوں کے احترام، بچوں سے شفقت اور اخلاقی اقدار کی صورت میں ہمارا امتیاز ہے جس کا مغربی معاشروں میں تصور بھی محال ہے۔

پٹنہ یونیورسٹی انڈیا کے سابق وائس چانسلر پروفیسر عبدالمغنی لکھتے ہیں کہ

''پردہ تقریباً اٹھ گیا ہے مغربی تہذیب کے ڈرامے کا سین ہمارے سامنے ہے۔ نئے کلچر کے نام پر وحشت کی ہوائیں چل رہی ہیں، گھروں کے خیمے اکھڑ رہے ہیں، بازار کی رونق بڑھ رہی ہے، پارک آباد ہو رہے ہیں، ہوٹل گھر بن رہے ہیں، اکبر کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہو رہی ہے، اپ ٹو ڈیٹ اور ماڈرن شرفاء کی عمریں، بالخصوص ترقی یافتہ ممالک میں، ہوٹلوں میں کٹ رہی

ہیں اور مرتے ہیں ہسپتال کے بستروں پہ، دریاؤں کے کنارے صحت افزا جھونپڑوں میں اور ریت کے بستروں پر بحر محبت موجیں مار رہا ہے یہ صرف آزادی نسواں (Women's Lib) کا کرشمہ ہے۔ اب Women's Empowerment کا ہائیڈروجن بم جو پھٹے گا تو انسانیت کے ذرات فضاؤں میں اڑیں گے جبکہ مغربی تہذیب کے تنکے مشرق کے سمعی و بصری ذرائع (Audio-Visual media) پر ٹیلی ویژن اور بھیانک وی سی آر کے ہاتھوں گھر گھر میں اڑ رہے ہیں اور گویا پورا گھر خواب گاہ (Bed-room) بنا ہوا ہے''۔(۹)

پاکستان میں این جی اوز کا تذکرہ ہو تو جو چند نمایاں نام فوری طور پر سامنے آتے ہیں ان میں عاصمہ جہانگیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں محترمہ ایک معروف این جی اوز کی سربراہ ہیں اور حقوق انسانی کے لیے مسلسل جدوجہد کی دعویدار ہیں مگر ان کی عملی کارکردگی پر جناب عبدالرشید ارشد رقمطراز ہیں:

عاصمہ جہانگیر کا کردار دیکھ لیجیے کہ حقوق انسانی کے نام پر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسلمہ دشمنوں کے ساتھ باہم شیر و شکر بلکہ دشمن کے سپاہیوں میں عملاً شکر پارے بانٹنے، پاکستان میں جاسوسی کرنے والے دشمن کے گھر جا کر ملاقات کرنے اور بھارت میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پالیسیوں کے خلاف انٹرویو اور بیان بازی پر میڈیا کی گواہی کافی ہے۔

قومی سلامتی کے حوالے سے رویہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سے کھلی غداری قرار پاتا ہے مگر عاصمہ جہانگیر جو اپنے خالق و مالک کی باغی ہے، اسلامی جمہوریہ پاکستان سے بغاوت کو کہاں خاطر میں لائے گی کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ قانون دان ہے اور آئین و قانون کی جو توجیح چاہے کر لے، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

عاصمہ جہانگیر بھی ایک NGO کی سربراہ ہے اس NGO کے ذمہ اس کے آقاؤں نے قرآن و سنت اور شعائر و اقدار اسلام کی بیخ کنی کا کام سونپا ہوا ہے صرف دو مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

۱) عاصمہ جہانگیر کی NGO ایک ماہوار خبرنامہ ''صدائے آدم'' کے نام سے شائع کرتی ہے اس نے شمارہ جنوری ۲۰۰۰ء کے سرورق پر قرآن حکیم کی سورۃ النساء کی آیت ۳۴ پر ایک کارٹون شائع

گیا ہے جو قرآن حکیم کی آیت کی توہین کے ساتھ سنت رسول کی بھی توہین ہے۔

مذکورہ ایت نمبر ۳۴ کے الفاظ یہ ہیں:

۞ الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض ۞

"مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے"

اس آیت کی کارٹون کی شکل میں تشریح کرتے ہوئے ایک ترازو بنایا گیا ہے جس کے اوپر اٹھے پلڑے میں ایک عورت اور اس کا ایک بچہ ہے اور دوسرے خاصے جھکے پلڑے میں ایک مولوی کی داڑھی بھی عورت اور اس کے بچے سے بھاری ہے یہ قرآن کی آیت اور سنت رسول ﷺ کی کھلی توہین ہے۔

۲) فروری ۲۰۰۰ء کے صدائے آدم کے سرورق پر شائع کارٹون سے بھی توہین قرآن کے حوالے سے بازی لے گیا ہے یہ کارٹون سورۃ الاعراف کی آیت ۴۰ پر مبنی ہے جو یوں ہے:

۞ ان الذین کذبوا بایتنا واستکبروا عنھا لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط و کذلک نجزی المجرمین ۞

"جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور مقابلے میں متکبر ہوئے ان کے لیے نہ تو آسمان کے دروازے کھلیں گے نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے کہ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر اونٹ سوئی کے سوراخ میں گذر جائے یعنی نہ اونٹ سی کے سوراخ سے گذر سکتا اور نتیجتاً نہ ایسے مجرم جنت میں جا سکتے ہیں"

اس آیت پر مبنی کارٹون میں ایک مولوی صاحب اونٹ کی نکیل پکڑے اس میں سوئی پروئے (ڈالے) اونٹ کو اپنی جانب کھینچ کر سوئی کے سوراخ سے گذرانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ (۱۰)

جذباتی طور پر ہی سہی مگر اسلام سے گہری وابستگی رکھنے والے پاکستانی معاشرے میں جہاں قرآن وسنت دستور پاکستان کا ماخذ قرار دیئے گئے ہیں ایک این جی او کی طرف سے زبانی نہیں تحریری

طور پر قرآن وسنت کے ساتھ تضحیک اور مذاق کا مذکورہ طرز عمل پاکستان میں روشن خیالوں کی دیدہ دلیری اور جارحیت کا ثبوت ہے۔معروف محقق اور صحافی عطاء اللہ صدیقی اس دیدہ دلیری اور جارحیت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جنرل پرویز مشرف کے برسراقتدار آنے کے بعد پاکستان میں این جی اوز کی اچھل کود اور آؤ بھگت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔فوجی حکومت نے آتے ہی وفاقی اور صوبائی کابینہ میں این جی اوز کے متحرک افراد کو وزارتیں دے دیں۔عمر اصغر خان، عطیہ عنایت اللہ، جاوید جبار، زبیدہ جلال، شاہین عتیق الرحمٰن اور چند دیگر خواتین وحضرات دیکھتے ہی دیکھتے فوجی حکومت کے نفس ہائے ناطقہ بن گئے۔حکومت کے دیگر روشن خیال وزراء کی رفاقت سے این جی اوز برانڈ وزراء کو مزید روحانی تقویت ملی۔

جنرل پرویز مشرف نے مصطفیٰ کمال اتاترک کو جب اپنا آئیڈیل کہا تو این جی اوز کی ان کے متعلق خوش اعتقادی کا گراف آسمان کو چھونے لگا انہوں نے پاکستان میں کمال ازم کے عملی نفاذ کے لیے درجہ بدرجہ منصوبہ بندی کا آغاز کر دیا کئی ماہ تک این جی اوز کے انگریزی گپ باز دانش وروں نے چیف ایگزیکٹو کے گرد اپنا روشن خیال حلقہ قائم کیے رکھا۔حکومت کو یقین دلایا گیا کہ این جی اوز دیگر سیاسی جماعتوں کے متبادل کے طور پر خدمات انجام دینے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں لہٰذا حکومت کو نہ تو کرپٹ سیاستدانوں سے بات کرنے کی ضرورت ہے اور نہ رجعت پسند مولویوں کو منہ لگانے کا فائدہ ہے اس ملک کی ترقی اور خوشحالی کا اگر کوئی ترقی پسندانہ ماڈل ہے تو اس کی عملی جامہ صرف اور صرف این جی اوز کے روشن دماغ ہی پہنا سکتے ہیں۔اصلاحات کے نام پر تہذیب مغرب کے غیر محسوسانہ نفاذ کے پھندے تیار کیے جانے لگے عوامی سطح پر اختیارات کی تقسیم کا ایک دلفریب نقشہ پیش کیا گیا۔چیف ایگزیکٹو کو بریف کیا گیا کہ رجعت پسند مذہبی طبقہ پاکستان کی ترقی کی راہ میں اصل رکاوٹ ہے جب تک اس کا اثر ورسوخ کم نہیں کیا جاتا نتائج کا حصول ممکن نہیں ہے۔(۱۱)

این جی اوز میں سرگرم عمل زیادہ تر افراد وہ ہیں جن کے لیے ماضی میں بائیں بازو، لبرل یا ترقی پسند کے عنوان اختیار کیے جاتے تھے۔نجم الحسن عارف کہتے ہیں کہ وہ ماضی میں آجر اور اجیر کے

درمیان تقسیم اور طبقاتی کشمکش کا ماحول پیدا کرنے کے حوالے سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ اب انہوں نے تقسیم کا یہی عمل جنس کی بنیاد پر شروع کر دیا ہے۔ اب آجر اور اجیر کو ایک دوسرے سے لڑانے کی بجائے مرد اور عورت کو آمنے سامنے کھڑا کرنے کے لیے سرگرم ہیں اور عورت کے سارے مسائل کی ذمہ داری مرد اور مردوں کے غلبے والے معاشرے پر ڈالتے ہیں اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ عورتوں کو جہاں مردوں کے باعث بہت سے تحفظات حاصل ہیں وہیں عورت کی بہت ساری مشکلات اور مصائب کا سبب مرد سے زیادہ عورت خود ہے یہ خواتین مردوں کی ازدواجی زندگی کو بھیجواتین کے استحصال سے تعبیر کرتی ہیں لیکن ان میں کئی خواتین ایسی خود ہیں جن کی وجہ سے کسی دوسری کا گھر اجڑا یا وہ بے گھر ہوئی ایک اور بات جو ان این جی اوز کی سرگرمیوں کے حوالے سے محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تمام تر کوششوں کا محور ان مٹھی بھر خواتین کے چونچلوں کا تحفظ ہے جو پاکستان میں مراعات یافتہ طبقے سے تعلق رکھتی ہیں یا بدقسمتی سے ان سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو پاکستان ایسے اسلامی اور مشرقی اقدار کے حامل ملک میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتیں البتہ بیرون ملک خصوصا یورپ اور امریکہ میں ان کے لیے ہر ''آزادی'' اور ''سہولت'' موجود ہے اسی مراعات یافتہ طبقے کی نمائندگی کرتے ہوئے وہ حدود کے اسلامی قانون، دیت اور حجاب کی مخالفت کرتی ہی اور انہیں کی تسکین، اطمینان کے لیے نسائیت پسندی کی تحری کی حامی ہیں۔ (۱۲)

این جی اوز کی اقسام، طریق کار اور سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ زیادہ تر این جی اوز پاکستانی معاشرے میں آزاد خیالی اور مغربی تہذیب کی کمین گاہ ہیں وہ کام جو کسی اور راہ سے پاکستانی معاشرے میں سرانجام دینا معاشرے کی اسلام سے جذباتی وابستگی کے باعث مشکل ہے۔ این جی اوز کے محاذ پر آسانی سے سرانجام دیا جا سکتا ہے گو کہ این جی اوز کا معاشرتی نفوذ بڑے پیمانے پر نہیں ہے مگر انتہائی اہم شعبہ ہائے زندگی میں این جی اوز کے ذریعے نقب لگائی گئی ہے جن میں صحت، تعلیم اور سماجی بہبود کے علاوہ حکومتی ایوان، ذرائع ابلاغ اور الیکٹرانک میڈیا ان این جی اوز کی آواز اور پیغام کو توانا بناتے ہیں اگر لوگ ان کے ہمنوا نہیں بھی بنتے تو بھی اپنی معاشرت، تہذیب

اور اقدار پر ان کا اعتقاد متزلزل ضرور ہو جاتا ہے پھر ان این جی اوز کو سیاسی جماعتوں کی طرح ووٹ لینے کے لیے عوام کے پاس نہیں جانا ہوتا اس لیے یہ پورے اعتماد اور دیدہ دلیری سے جارحیت کا انداز اختیار کرتی ہیں۔ عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں کہ

آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲ کی رو سے اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے مگر ان نام نہاد غیر سرکاری تنظیموں کا ''غیر سرکاری مذہب'' اسلام دشمنی ہے۔ پاکستانی این جی اوز کے راہنماؤں کو آئین پاکستان کی صرف دو تین آرٹیکل یاد ہیں مثلاً آرٹیکل نمبر ۴ آرٹیکل نمبر ۸ اور آرٹیکل نمبر ۲۵ جن میں مساوی حقوق اور عورتوں کے حقوق کا ذکر ملتا ہے۔ وہ ایسے تمام آرٹیکل پر یقین نہیں رکھتے جن میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اسلام یا اسلامی قوانین کی بالادستی کا ذکر ملتا ہے۔ آرٹیکل ۲۲۷ جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کے تمام مروجہ قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالا جائے گا، کو یہ سخت ناپسند کرتے ہیں۔ عاصمہ جہانگیر اپنے بیانات میں آرٹیکل ۶۲، ۶۳ کا بارہا مذاق اڑا چکی ہے کیونکہ اس میں عوامی نمائندوں کے لیے اسلامی معیارات کی بات کی گئی ہے۔ این جی اوز آرٹیکل ۶ کے نفاذ کو بھی بھول جاتی ہیں اگر پاکستان کے آئین کی روشنی میں این جی اوز کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً غیر آئینی قرار پائیں گی کیونکہ آئین میں نظریہ پاکستان کے منافی سرگرمیوں کی گنجائش نہیں ہے۔ این جی اوز انسانی حقوق اور اظہار رائے کی آزادیوں کے علاوہ جمہوری اقدار کے فروغ کا بہت واویلا کرتی ہیں جمہوری آزادیوں کے تحفظ کے لیے ماضی میں آئے دن این جی اوز جلوس نکالتی رہتی تھیں مگر موجودہ حکومت کے دور میں این جی اوز نے جمہوریت کی بحالی کے لیے کوئی جلوس نہیں نکالا۔ (۱۴)

این جی اوز لبرل ازم کے فروغ میں کیا کردار ادا کر رہی ہیں اس سوال کے جواب میں زیادہ تر این جی اوز کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے تاہم این جی اوز کے راستے ہی کو اختیار کر کے سچے جذبے، اخلاص اور محنت کے ساتھ خدمت عامہ کا فرض ادا کرنے والے ادارے، تنظیمات اور انجمنیں معاشرے کے لیے باعث خیر ہیں مگر ان کی تعداد قلیل ہونے کے باعث مجموعی طور پر بداعتمادی کی فضا غالب ہے این جی اوز کی پس پردہ حکمت عملی کے نقائص اور مذموم محرکات کے تذکرے کا یہ مطلب نہیں

کہ معاشرے کے حقیقی مسائل (جن کی آڑ لے کر لبرل ازم کو فروغ دیا جا رہا ہے) سے صرف نظر کر دیا جائے فی الواقع پاکستانی معاشرے کو سلگتے مسائل کا سامنا ہے جن کا حل اسلامی اقدار اور نظام حیات میں تلاش نہ کیا گیا تو این جی اوز کو تنقید کا نشانہ بنا کر ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا ناممکن ہوگا۔

حوالہ جات

۱۔ ام کلثوم، ڈاکٹر، این جی اوز کا حقوق نسواں کے حصول میں کردار، این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، مصنف موسیٰ خان زئی، فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۲

۲۔ جلال زئی، موسیٰ خان، این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸، ۲۹

۳۔ عارف، نجم الحسن، این جی اوز اور بیرونی ممالک سے بھاری فنڈز، کتاب این جی اوز اور قومی سلامتی کے تقاضے، ص ۷۴، ۷۸

۴۔ قومی اخبارات، عمر اصغر کا بیان، ۱۰ اگست ۲۰۰۰ء

۵۔ ارشد عبدالرشید، پاکستان میں این جی اوز کا اسلام دشمن کردار اور عمر اصغر خان، ماہنامہ عرفات جامعہ نعیمیہ، علامہ اقبال روڈ لاہور، اگست ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۶۱

۶۔ ایضاً

۷۔ روزنامہ نوائے وقت، ۲ دسمبر ۱۹۹۹ء

۸۔ اسماعیل عنایت اللہ، اباحی معاشرے کے لیے عالمی کوششیں، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۰۰ء، ص ۶۰، ۶۱

۹۔ عبدالمغنی، پروفیسر، خواتین کی طاقت، بیسویں صدی کا فریب، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۰۰ء، ص ۴۹، ۵۰

۱۰۔ ارشد، عبدالرشید، پاکستان میں این جی اوز کا اسلام دشمن کردار اور عمر اصغر خان، ص ۶۱

۱۱۔ صدیقی، عطاء اللہ، پاکستان این جی اوز کی آئین سے محبت، ماہنامہ محدث لاہور، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۲، ۳

۱۲۔ عارف، نجم الحسن، این جی اوز اور بیرونی ممالک سے بھاری فنڈز، ص ۷۹

۱۳۔ صدیقی، عطاء اللہ، پاکستانی این جی اوز کی آئین سے محبت، ص ۶

حق و باطل کے اتحاد کا اثر اکثر یہ ہوتا ہے کہ صاحبِ حق، صاحب باطل میں مدغم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ حق دشوار ہے کیونکہ نفس کے خلاف ہے اور باطل سہل ہے۔ اتفاق اس طرح ہوتا ہے کہ ایک اپنے مسلک کو کسی قدر چھوڑے تو صاحب باطل سہل کو چھوڑ کر دشوار کو کیوں اختیار کرے اس لئے ایسے اتحاد کا یہی انجام ہوتا ہے کہ صاحب حق کو کسی قدر اپنے مسلک کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

(مولانا اشرف علی تھانویؒ)